# مصری عدلیہ کا ایک اہم فیصلہ

## ( ۲ )

جناب خلیل حامدی صاحب

**چوتھا گواہ: ایک قدیم دوست** چوتھے گواہ عبدالمنعم خلیفہ محمد نے گواہی دیتے ہوئے کہا:

"۳۰ اگست ۱۹۶۵ء کو ملٹری پولیس کے سپاہی میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر مجھے فوجی جیل میں لے گئے۔ میں راستے میں چیخ پکار کرتا اور گریہ زاری کرتا رہا۔ جب آنکھوں سے پٹی کھولی گئی تو میں نے کئی انسان اُلٹے لٹکے ہوئے دیکھے جن پر چند افراد مسلط تھے اور انہیں تازیانے مار رہے تھے۔ جب تفتیش شروع ہوئی تو مجھ سے مدّعی (علی جریشہ) کے بارے میں پوچھا گیا۔ میں نے تسلیم کیا کہ میں اُسے جانتا ہوں۔ پھر حسن کفافی نے مدّعی کو میرے سامنے بلوایا تاکہ میں دیکھ لوں کہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے اور مجھے معلوم ہو جائے کہ اگر میں بھی ان کی ہاں میں ہاں نہ ملاؤں تو میری بھی وہ تکا بوٹی کر دیں گے۔ چنانچہ جب مجھے مدّعی کے سامنے لایا گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مسکین پالتی مار کر بیٹھا ہوا ہے۔ حسن کفافی نے مدّعی کو مخاطب ہو کر کہا تمہاری ........ (ایک بہت نازیبا گالی جسے مترجم کا قلم بیان کرنے کے لیے تیار نہیں ہے)۔ اور پھر حکم دیا "جج صاحب! ذرا کتے کی طرح بھونکیے!" چنانچہ مدّعی نے بحالت اضطرار بھونکنا شروع کر دیا۔ مدّعی کا پورا جسم زخموں سے چُور چُور تھا۔ ہاتھ بھی زخمی تھے اور پاؤں بھی۔ پھر حسن کفافی نے مجھ سے کہا کہ "بتاؤ علی جریشہ نے تم سے کیا کہا تھا"۔ میں نے ایسی کسی گفتگو کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ چنانچہ مجھے قصابوں کے طریقے کے مطابق اُلٹا لٹکا دیا گیا اور سوڈانی طرز کے چرمی تازیانے مجھ پر برسنے لگے۔ یہ تازیانے خاص طور پر سوڈان سے منگوائے گئے تھے۔ پھر یہ لوگ مجھے اور مدّعی (علی جریشہ) کو شمس بدران کے دفتر میں لے گئے۔ شمس بدران نے ہمیں کہا کہ "صدر جمہوریہ (جمال عبدالناصر) کی طرف سے احکام صادر ہوئے ہیں کہ علی جریشہ کو خوب عذاب

دو۔ یہاں تک کہ وہ مرجائے"۔ پھر مجھے اور علی جریشہ کو تحقیقات کے لیے لے جایا گیا۔ جب علی جریشہ نے تحقیقات کے دوران ایسے جوابات دیے جو حسن کفافی اور حسن خلیل کو پسند نہ آئے تو دونوں نے کہا: "جج ... کے بچے کو اُلٹا لٹکا دو جو ہمیں یہ جواب دیتا ہے کہ ہماری کوئی قانونی اتھارٹی نہیں ہے اور ہم فیصلے صادر کرنے کے اختیارات نہیں رکھتے"۔ چنانچہ علی جریشہ کو فوراً اُلٹا لٹکا دیا گیا اور تاک تاک کر اُس کے پرانے زخموں پہ تازیانے مارے گئے۔ وہاں چند خواتین بھی تھیں جنہیں سپاہیوں نے سر کے بل لٹکا رکھا تھا اور کوڑوں سے انہیں مار رہے تھے۔ انہوں نے علی جریشہ کو دھمکی دی کہ "وہ اُس کی بیوی کو بھی یہاں لائیں گے اور اُس کا بھرکس نکالیں گے اور اُس کی عصمت دری کریں گے۔ دوسروں کے ساتھ وہ ایسا کر چکے ہیں۔ ان کی بیویوں، بہنوں اور دیگر رشتہ دار عورتوں کو یہاں لاکر اُن کی ایسی تیسی کر چکے ہیں"۔ مولوی محمد عبدالمقصود کی مثال انھوں نے خاص طور پر بیان کی جس کی بیوی اور لڑکیوں اور اُن کے شوہروں اور لڑکوں اور اُن کی بیویوں کو فوجی جیل میں لاکر تعذیب اور بے حرمتی کا نشانہ بنایا گیا۔ اسی طرح مامون الھضیبی (الاخوان المسلمون کے مرشد عام جناب حسن الھضیبی مرحوم کے صاحبزادے) کی والدہ اور بہنوں اور بیٹیوں اور ایک بیٹی کے خاوند کو بھی جیل میں لایا گیا اور ان کے ساتھ ظلم و تشدّد اور بدسلوکی کی انتہا کی گئی۔

**پانچواں گواہ: مدعی کا بھائی** پانچویں گواہ سید احمد جریشہ نے بیان دیتے ہوئے کہا:

"میرے بھائی علی جریشہ کی گرفتاری کے دوران میرے پاس ملٹری انٹیلی جنس کے دو افراد آئے اور مجھ سے پوچھا کہ علی جریشہ کی بیوی کا پتہ کیا ہے۔ میں نے انہیں پتہ بتا دیا۔ چنانچہ وہ دونوں کئی بار وہاں گئے۔ لیکن انہیں علی جریشہ کی بیوی نہ مل سکی۔ چھ ماہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ میرا بھائی فوجی جیل میں مقید ہے۔ بڑی کوشش کے بعد مجھے اپنے بھائی کو جیل میں کپڑے پہنچانے کی اجازت ملی۔ جب میں نے جیل کے داروغہ کو بھائی کے لیے نئے کپڑے دیے تو مجھے ان کے پرانے کپڑے واپس کیے گئے۔ یہ کپڑے خون سے بُری طرح آلودہ تھے۔ اور خون اور پیپ اُن سے ٹپک رہی تھی۔ بعد میں ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ میرے گھر میں گھس آئے اور کئی روز تک انہوں نے میرے ہاں ڈیرے ڈالے رکھے۔ یہ منظر میری بیوی کے لیے شدید صدمے کا موجب بنا اور وہ ایسی بیمار ہوئی کہ آج تک اس کی بیماری کا سلسلہ جاری ہے۔ میں نے فوجی جیل سے گہرا تعلق رکھنے والے لوگوں سے سُنا ہے کہ اس جیل میں انسانوں کو نہایت ہولناک عذاب دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ لوگوں کو لوہے کے گرم سلاخوں سے داغا جاتا ہے۔ ایک قیدی کے رشتہ دار نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ صفوت الروبی

جیل سے باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا تازیانہ تھا جو خون سے لت پت تھا اور وہ یہ دھمکی دے رہا تھا کہ جس طرح وہ قیدیوں کی خبر لیتا ہے، اُن کی ملاقات کے لیے آنے والوں کی بھی ویسی ہی خبر لے سکتا ہے۔"

**چھٹا گواہ: مدعی کا برادر نسبتی**

چھٹے گواہ محمد جلال عبد المنعم نے گواہی دی کہ:

"وہ مدعی (علی جریشہ) کا برادر نسبتی ہے۔ ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ مدعی کی بیوی کی تلاش میں تھے۔ مجھ سے انہوں نے بڑی پوچھ گچھ کی۔ مگر میں نے انہیں بتایا کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ اب وہ کہاں ہے۔ البتہ میں مدعی کے کپڑے جو جیل سے آیا کرتے تھے وصول کیا کرتا تھا اور ان کے بجائے صاف کپڑے دیا کرتا تھا۔ جیل سے جو کپڑے آیا کرتے تھے وہ خون اور پیپ سے لت پت ہوا کرتے تھے۔"

**عدالت کا فیصلہ**

یہ ہیں گواہوں کے بیانات۔ مدعا علیہ (موجودہ وزیر جنگ) نے کوئی گواہ پیش نہیں کیا ہے البتہ اس نے شمس بدران (سابق وزیر جنگ جس کے دور میں علی جریشہ کو گرفتار کیا گیا تھا) حمزہ بسیونی (کمانڈر فوجی جیل) کے ورثا، سعد زغلول، حسن خلیل، حسن کفافی اور محمد صفوت الروبی کے خلاف ضمنی استغاثہ کیا ہے۔ اس بنا پر کہ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے مدعی پر مظالم کیے ہیں، اور مدعی نے اُن سے اپنے نقصانات کا معاوضہ طلب کیا ہے۔ مصری قانون تعزیرات کی دفعہ ۱۷۰ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ افسر کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر ماتحت نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے اور اس سے کسی شہری کو مالی یا بدنی نقصان پہنچا ہے تو وہ ماتحت کی طرف رجوع کرے، ویسے ہی جیسے ضامن اُس مقروض کی طرف رجوع کرتا ہے جس کی اُس نے ضمانت دی ہو۔ اور اُصول یہ ہے کہ ضامن شخص ضمانت یافتہ شخص کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اُس کی ذمہ داری میں شریک نہیں ہوتا۔ اسی اُصول کے تحت مدعا علیہ (موجودہ وزیر جنگ) کا یہ مطالبہ ہے کہ مذکورہ بالا افراد کے خلاف یہ حکم صادر کیا جائے کہ وہ مل جل کر اپنی ذاتی املاک میں سے مدعی کے اُس نقصان کی تلافی کریں جس کی تلافی کا حکم عدالت سے جاری ہو۔ نیز مقدمہ کے جملہ مصارف اور وکیل کا معاوضہ بھی اُن سے دلوایا جائے۔

مدعی نے ایک یادداشت بھی پیش کی جس میں گواہوں کے بیانات کی طرف عدالت کی توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا ہے کہ یہ گواہ صادق و عادل ہیں اور حالات کے عینی شاہد ہیں۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے اُسے ہو بہو بیان کر دیا ہے۔ اور بنیادی مقدمے کا مدعا علیہ دفعہ ۱۷۴ کے بموجب اُس نقصان کا ذمہ دار ہے جو اُس کے ماتحت افراد کی طرف سے غیر قانونی طور پر مدعی کو پہنچایا گیا ہے۔ نیز دستور کی دفعہ ۵۷ اس بات کی تائید کرتی ہے کہ جس شخص کی شخصی آزادی پر حملہ کیا گیا ہو اُسے ریاست عادلانہ معاوضہ ادا کرنے کی ذمہ دار ہے۔

**صفائی کا موقف** | بنیادی مقدمے کے مدعا علیہ موجودہ وزیر جنگ نے بھی ایک یادداشت پیش کی ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ مدعی کے گواہوں میں سے کسی گواہ نے بھی مدعی کو عذاب دیے جانے کا چشم دید واقعہ بیان نہیں کیا۔ رہی یہ بات کہ مدعی گھٹنوں اور کہنیوں کے بل رینگتا ہوا دیکھا گیا تو ہو سکتا ہے کہ مدعی نے بیماری کی وجہ سے یہ کیفیت اختیار کی ہو۔ لہٰذا مدعی تعذیب کا ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہا ہے اور یہ احتمال ہے کہ یہ مقدمہ ایسی غیر صحت مندانہ بنیادوں پر دائر کیا گیا ہے جو مسترد کر دینے کے قابل ہیں۔ مدعا علیہ نے بطور احتیاط مدعی کو معاوضہ پیش کر دینے کے پہلو پر بھی بحث کی ہے اور کہا ہے کہ چونکہ واقعہ تعذیب ثابت نہیں ہو سکا ہے لہٰذا مدعی کو کوئی مالی نقصان نہیں پہنچا۔ اگر اسے کوئی مالی نقصان پہنچتا تو یقیناً وہ بروقت ذمہ دار لوگوں کو اطلاع کر دیتا۔ تحقیقات سے متعلق جملہ کاغذات ایسی کسی اطلاع سے قطعاً خالی ہیں۔ رہا اخلاقی نقصان جس کا مدعی نے ذکر کیا ہے اور جس کی بنیاد مدعی نے یہ قائم کی ہے کہ قانونی کارروائی کیے بغیر اسے گرفتار کر لیا گیا تھا تو سیکورٹی کورٹ آف اسٹیٹ میں اس کا مقدمہ درج کیا گیا تھا۔ اور سیکورٹی کورٹ آف اسٹیٹ نے اسے سزا سنائی تھی۔ لہٰذا اب تنفیذ حکم پر معاوضے کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ مدعا علیہ نے یہ تمام بحث کرنے کے بعد یہ مطالبہ کیا ہے کہ مدعی کے قائم کردہ مقدمہ کو داخل دفتر کر دیا جائے۔ رہا ضمنی مقدمہ تو جن لوگوں نے مدعی کو نقصان پہنچایا ہے —— اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ اسے نقصان پہنچایا گیا ہے —— تو گو وہ اس کے ماتحت ملازمین ہیں لیکن اس جرم کے وہ خود ذمہ دار ہیں اور مدعی قانون کی دفعہ ۱۷۵ کے تحت ان کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ مدعا علیہ نے یہ بھی مطالبہ کیا ہے کہ عدالت ضمنی مقدمہ کے مدعا علیہم کے خلاف مناسب فیصلہ صادر کرے اور مقدمہ کے مصارف اور وکیل کا معاوضہ ان سے وصول کیا جائے۔

**عدالت کا تبصرہ** | جہاں تک گواہوں کے بیانات کا تعلق ہے، ایک طرف تو ان بیانات کی تردید کرنے والی کوئی چیز سامنے نہیں آئی، اور دوسری طرف عدالت یہ محسوس کرتی ہے کہ گواہ بالکل سچے ہیں کیونکہ ان کی گواہی کی بنیاد وہ حالات ہیں جن کا انہوں نے بچشم سر مشاہدہ کیا ہے اور جن میں وہ خود گھرے رہے ہیں۔ ان کی گواہی دل کی گہرائیوں سے اچھل اچھل کر باہر آ رہی تھی۔ ان کی زبان میں فطری روانی تھی جس میں کوئی تصنع نہیں تھا، نہ کوئی دراندازی تھی، نہ تضاد اور اختلاف تھا جو شک و شبہہ کی گنجائش پیدا کر دیتا۔ پہلے گواہ ڈاکٹر کمال رمزی استینو کا بیان عینی گواہوں کی تصدیق کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر کمال رمزی اس دور کا ایک اہم ستون تھا۔ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ دور ظلم و جور کا دور تھا، دار و گیر کا دور تھا، فوجی جیل میں اور اسکندریہ کے

مصطفیٰ کامل فوجی کیمپ میں تعذیب و توہین اُس دور میں عام تھی۔ اس دور میں بے گناہ انسانوں کے خلاف جھوٹی تہمتیں گھڑی گئیں۔ وہ دورِ استبداد تھا جس میں حکمران طاقت اپنی خواہش کے تحت جس انسان کے خلاف چاہتی جائز و ناجائز ہر ہتھکنڈہ استعمال کرتی تھی۔ اس دور کا اصل دارومدار عسکری پولیس اور فوج کے محکمۂ جاسوسی پر تھا۔ ان اداروں کا خوف ہر انسان پر چھایا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ وزراء اور وزیراعظم کے نائبین تک ان سے لرزتے تھے۔ مدعی بھی ان کی چیرہ دستی کا اس لیے نشانہ بن گیا کہ وہ دسیسہ کاری اور جعل سازی میں ان کا ساتھ نہ دے سکا۔ چنانچہ مدعی کے گواہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ عدالت کو دعوے کی صحت کا یقین دلانے کے لیے کافی ہے۔ عدالت کا ضمیر و وجدان صحتِ دعویٰ پر مطمئن ہے۔ اور مدعی نے اپنی درخواست میں جس جسمانی تعذیب اور مالی نقصان کا ذکر کیا ہے اُس کا ثبوت واضح طور پر سامنے آگیا ہے۔ ضمنی دعوے میں جو دو یادداشتیں (ایک مدعا علیہ وزیر جنگ کی طرف سے اور دوسری حسن کفافی کی طرف سے) پیش کی گئی ہیں اور ان میں گواہوں پر جو تنقید کی گئی ہے وہ ایک فریب اور حیلہ جوئی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ نرم سے نرم الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ مدعی اور اس کے گواہوں کی صداقت میں شک پیدا کرنے کی ایک ناکام اور نہایت بھونڈی کوشش ہے۔

ضمنی دعوے کے مدعا علیہ نمبر ایک شمس بدران (سابق وزیر جنگ) کا جرم گواہ عبدالمنعم کی شہادت سے ثابت ہوگیا ہے۔ گواہ مذکورہ کے بیان کے مطابق جب اُسے (یعنی خود گواہ کو) اور مدعی علی جریشہ کو فوجی جیل کے اندر ملزم شمس بدران کے دفتر میں پیش کیا گیا تو اُس نے کہا کہ اُسے صدر جمہوریہ کی طرف سے یہ ہدایات ملی ہیں کہ علی جریشہ کو اتنا عذاب دیا جائے کہ وہ مر جائے۔ اسی طرح گواہ ابراہیم منیر نے یہ اقرار کیا ہے کہ علی جریشہ کے ساتھ اُسے بھی نشانۂ تعذیب بنایا گیا۔ مدعا علیہ حمزہ بسیونی (کمانڈر فوجی جیل) کا جرم بھی ابراہیم منیر کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے مدعا علیہ حسن خلیل کا جرم بھی ابراہیم منیر کی گواہی سے عیاں ہو جاتا ہے۔ مدعا علیہ حسن کفافی کا جرم گواہ سید احمد اور گواہ محمد عبدالمنعم کی گواہوں سے مبرہن ہے۔ مدعا علیہ صفوت الروبی کا جرم گواہ ابراہیم منیر کے بیان سے ثابت ہو جاتا ہے۔ تمام گواہ اس بات پر متفق ہیں کہ ضمنی دعوے کے تمام مدعا علیہم فوجی جیل کی حدود میں ان جرائم کا ارتکاب کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ فوجی جیل کے اندر صرف قیدی کو ہونا چاہیے یا جیلر کو۔ تمام قیدی اس بات پر بھی یک زبان ہیں کہ جو شخص بھی فوجی جیل میں لایا گیا ہے اُسے عذاب دیا گیا ہے اور مدعا علیہم میں سے ہر شخص براہ راست

مدّعی کو عذاب دیتا رہا ہے یا عذاب دینے میں شریک رہا ہے۔

کمال رمزی استینو سابق نائب وزیراعظم نے صدر جمال عبدالناصر کو مدّعی علی جریشہ کی گرفتاری کی اطلاع کر دی تھی۔ گواہ عبدالمنعم نے کہا ہے کہ مدّعا علیہ شمس بدران نے مدّعی کو کہا تھا کہ اُس کے پاس صدر جمہوریہ کی طرف سے احکام ہیں کہ مدّعی کو عذاب دے دے کر مارا جائے۔ مدّعا علیہ حسن کفافی اور مدّعا علیہ سعد زغلول نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اُنہیں جو احکام دیے جاتے تھے وہ اُن پر کوئی چون وچرا نہیں کر سکتے تھے یہ سب دلیلیں کسی زیادتی کرنے والے کو معاف نہیں کر سکتیں اور نہ اُسے ذمہ داری سے بری کر سکتی ہیں۔ مصری قانون کی دفعہ ۱۶۷ یہ واضح کرتی ہے کہ:

"سرکاری ملازم اگر افسر کے حکم کا نفاذ کرتے وقت کسی دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے تو وہ اپنی کارروائی کا ذمہ دار نہیں ہوگا، بشرطیکہ اُس حکم کی اطاعت اُس کے لیے فرض ہو، یا وہ یہ سمجھتا ہو کہ اس حکم کی اطاعت اُس پر فرض ہے اور وہ یہ ثابت کر دے کہ وہ اپنی اس کارروائی کو جائز فعل سمجھتا تھا، اور اُس کا یہ خیال قابلِ فہم اسباب پر مبنی ہو، اور اُس نے کارروائی کرتے وقت احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھا ہو"

اس عبارت سے دو بنیادی باتیں واضح ہوتی ہیں جو کارروائی کرنے والے کو ذمہ داری سے سبکدوش کر دیتی ہیں:

ایک یہ کہ سرکاری ملازم کو افسر کی طرف سے براہ راست یا بالواسطہ حکم صادر ہوا ہو جس کی اطاعت اس پر فرض ہو۔ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ ملازم یہ سمجھتا ہو کہ افسر کی اطاعت اُس پر فرض ہے۔ بلکہ اس خیال کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی یقین رکھتا ہو کہ خود زیر بحث حکم جو افسر کی طرف سے صادر ہوا ہے، اُس کے لیے واجب الاطاعت ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ افسران اپنے ماتحت ملازموں کو ایسے احکام دیتے ہیں جو واجب الاطاعت نہیں ہوتے۔ ایسی صورت میں ماتحت کے لیے ایسے غیر قانونی حکم کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ اگر وہ ایسے کسی حکم کو نافذ کرے گا تو یہ اُس کی زیادتی ہوگی اور اس کی ذمہ داری اُسی کی گردن پر ہوگی۔

دوسری یہ کہ ملازم ثابت کرے کہ جو کارروائی وہ کر رہا تھا اُس کے بارے میں اُسے یقین تھا کہ وہ قانونی فعل ہے، اور اُس کا یہ یقین قابلِ فہم اسباب پر مبنی ہو، محض ظن وتخمین پر استوار نہ ہو (الوسیط۔ تالیف

ڈاکٹر السنہوری جلد اوّل۔ اشاعت ۱۹۵۲ء ص ۵۰، اور اس کے بعد)۔

بنا بریں جو لوگ مدّعی کو عذاب دیتے رہے ہیں اُن میں سے کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ عذاب دے دے کر مارنا قانونی فعل ہے، یا قانونی فعل ہو سکتا ہے، یا اُسے قانونی فعل تصوّر کیا جا سکتا ہے۔

مذکورۂ بالا بحث کے بموجب ضمنی دعوے کے مدعا علیہم سب (اور یہ سب وزیر جنگ کے ماتحتوں میں سے ہیں) نے ریاست کے دستور، تمام قوانین اور احکام کو پامال کیا ہے۔ تمام اخلاقی اقدار، بین الاقوامی ضابطوں اور انسانی اصولوں سے انحراف کیا ہے۔ اُن کے پاس اس کے سوا کوئی عذر نہیں ہے کہ شیطان نے انہیں خود فراموشی میں مبتلا کر دیا تھا اور اسی وجہ سے وہ خدا کو بھی فراموش کر بیٹھے اور غیر اللہ کی چوکھٹ پر انہوں نے جبہ سائی کی۔ اور جب اُن کے دل پتھر ہو گئے تو اُن کے اندر نہ خدا کا خوف رہا اور نہ خلق کی شرم۔ انہوں نے ایسے پابجولاں قیدیوں پر ستم ڈھایا جن کے پاس کوئی حیلہ و تدبیر تھی اور نہ کوئی طاقت۔ چنانچہ عدالت پر اُن کی درندگی اور ستمرانی ثابت ہو چکی ہے اور عدالت پورے اطمینان اور حق شناسی کے ساتھ یہ قرار دیتی ہے کہ ملزمان انسانیت سے قطعاً عاری تھے۔ انہوں نے مدّعی کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا ہے۔ یہ نہ صرف جرم ہے بلکہ سنگین، ہولناک اور غیر معمولی جُرم ہے۔

اب مدّعی کے نقصان کا معاملہ لیجیے۔ اذیت و تعذیب کے متعدد واقعات عدالت میں پیش کیے گئے ہیں۔ مدّعی کی توہین اور ہتک عزت کی تفصیلات سامنے آئی ہیں۔ اُسے ذلت و رسوائی اور آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اُس کے جسم پر تعذیب کے ایسے نشانات باقی ہیں جو طبّی معائنے اور عکسی تصویر سے صحیح ثابت ہو چکے ہیں۔ مزید برآں مدّعی کے ذہن و قلب پر ایسے المیے اور پُرہول واقعات و مناظر ثبت ہو چکے ہیں جو شاید زندگی بھر اُس کے لیے کابوس بنے رہیں اور صرف جام اجل ہی انہیں محو کر سکے۔ یہ ایسا نقصان ہے جو اظہر من الشمس ہے اور اپنی کہانی اپنی زبان سے بیان کر رہا ہے۔

مدّعی نے جس ظلم و تعذیب اور تشدد و جور کا سامنا کیا ہے۔ عدالت کو اُس سے شدید دکھ پہنچا ہے۔ اور مدّعی نے اس آزمائش پر جو اُسے اپنے رب کی طرف سے پہنچی ہے جس طرح صبر کیا ہے اور جس دل گردے کے ساتھ اُسے برداشت کیا ہے۔ اور جس قوت ایمانی کا مظاہرہ کیا ہے گو عدالت اس کی پوری پوری قدر کرتی ہے مگر بایں ہمہ عدالت اُسے یہ کہنا چاہتی ہے کہ مدّعی وہ پہلا انسان نہیں ہے جس نے آلام و مصائب کے کولھو میں پل کر اور خاک و خون میں لت پت ہو کر حق پرستی کی گراں قیمت پیش کی ہو۔ بلکہ اس سے پہلے شہدائے مسیحیت بھی یہ قیمت پیش کر چکے ہیں۔

قابلِ قیمت اور محلِ احترام ہونے کا تصور ہر زمانے میں الگ الگ ہو سکتا ہے۔ ایک چیز قدیم زمانے میں ہیچ تھی مثلاً مٹی اور کھاد۔ لیکن آج وہ قیمتی اشیاء میں شمار کی جاتی ہے۔

۳۔ بقدرِ نصاب ہو | مسروقہ مال کی تیسری شرط نصاب ہے۔ اس باب میں فقہائے امت کے درمیان دو بڑی رائیں پائی جاتی ہیں۔

ظاہریہؒ، حسن بصری، خوارج اور متکلمین کا ایک گروہ نصاب کی شرط کا قائل نہیں ہے۔ ان حضرات کے نزدیک مال مسروقہ کم ہو یا زیادہ قطع ید کی سزا عاید ہوگی۔ وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ سرقہ والی آیت کا حکم عام ہے اس میں قلیل یا کثیر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی۔ نیز آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی وہ پیش کرتے ہیں کہ لعن اللہ السارق یسرق البیضۃ فتقطع یدہ ویسرق الحبل فتقطع یدہ (خدا چور پر لعنت بھیجے۔ ایک انڈا چوری کرتا ہے اور ہاتھ کٹوا لیتا ہے۔ ایک رسی چوری کرتا ہے اور ہاتھ کٹوا لیتا ہے)۔

لیکن جمہور فقہا کے نزدیک چور کے اس وقت تک ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے جب تک وہ بقدرِ نصاب چوری نہ کرے۔ نصاب کی مقدار پر جمہور فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے اور اس سلسلے میں دو بڑے گروہ نظر آتے ہیں۔

پہلا گروہ حجاز کے فقہاء: امام مالک، امام شافعی اور دیگر اصحاب کا ہے۔ ان کے نزدیک چوری کا نصاب تین درہم (چاندی کا سکہ) یا چوتھائی دینار (سونے کا سکہ) ہے۔ البتہ ان میں یہ اختلاف ہے کہ اگر مسروقہ مال سونے اور چاندی کے سوا کوئی اور سامان ہو تو اس کی مالیت درہموں کے حساب سے لگائی جائے گی یا دینار کے حساب سے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ مالیت دینار کے حساب سے لگائی جائے گی۔ اور اگر مال مسروقہ کی کم از کم قیمت چوتھائی دینار ہوگی تو قطع ید کی سزا ہوگی ورنہ نہیں، خواہ درہموں کے لحاظ سے اس کی مالیت تین درہم بن جاتی ہو۔

دوسرا گروہ فقہائے عراق: امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کا ہے۔ ان کے نزدیک نصاب کی مقدار دس درہم ہے۔ دس درہم سے کم مالیت کی چوری پر قطع ید نہیں ہوگا۔ فقہائے عراق کی دلیل آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ایک ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹے جائیں — حجازی فقہا کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ڈھال کی قیمت تین درہم تھی اور عراقی فقہاء کہتے ہیں کہ دس درہم تھی۔

حاصل تھی جس کی بدولت اُسے معمولی سے معمولی دست درازی سے بھی محفوظ و مامون رہنا چاہیے تھا۔ ایسا انسان یکایک ایسی شدید بدمعاملگی، قساوت قلبی اور وحشت و درندگی کا نشانہ بن جاتا ہے جس کا کوئی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔ چونکہ مدعی خود عدلیہ کا ایک رکن تھا اور جج کا قول راست ہوتا ہے، اس لیے مدعی نے اپنے نقصان کا جو معاوضہ طلب کیا ہے عدالت کی رائے میں وہ بالکل مناسب تخمینہ ہے اور نقصان کی تلافی کا صحیح اندازہ ہے۔ عدالت چاہتی ہے کہ مدعی کا اعتماد اپنی ذات پر بھی اور اپنے وطن پر بھی بحال ہو۔ اس لیے عدالت اُس پورے معاوضے کو ادا کرنے کا فیصلہ دیتی ہے جو مدعی نے طلب کیا ہے۔ اتنی رقم اگر مدعی کے پاس اس وقت ہوتی جب وہ عذاب کی بھٹی میں جل رہا تھا تو اگر اس کے بس میں ہوتا کہ وہ اس رقم کو ادا کر کے جان بخشی کروا لے تو وہ کبھی دریغ نہ کرتا۔

**فیصلہ** ضمنی دعوے کے مدعا علیہم اپنی ضرر رساں کارروائیوں کے خود ذمہ دار ہیں۔ نقصان کا معاوضہ دینے میں وہ باہم شریک ہیں۔ جیسا کہ قانون کی دفعہ ۱۶۹ میں کہا گیا ہے کہ مورث کا ترکہ وصول کرنے والے وارث اُس کی ذمہ داریوں میں بھی شریک ہوں گے۔

یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ عدالتی فیصلے کا فوری نفاذ ہو اور یہ فیصلہ قابلِ ضمانت نہ ہو۔ عدالتی فیصلہ اس نقصان کی تلافی کرتا ہے جو مدعی کو ہتک عزت، شخصی آزادی کی پامالی اور الم و تشدد کی شکل میں پہنچا ہے۔ یہ تمام اُمور اپنی فطرت کے لحاظ سے فوری تلافی کے محتاج ہیں۔ فیصلے کے نفاذ میں تاخیر محکوم (مدعی) کے مفاد کو ضرر پہنچا سکتی ہے۔ عدالت کو دفعہ ۲۹۰ الف اپیل کے تحت یہ حق حاصل ہے کہ وہ حکم جاری کر سکتی ہے۔ بنا بریں یہ عدالت اپنے فیصلے کے فوری نفاذ اور بلا ضمانت نفاذ کا حکم جاری کرتی ہے نیز مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر:

۱۔ عدالت بنیادی دعوے کے بارے میں یہ فیصلہ دیتی ہے کہ مدعا علیہ جنرل وزیر جنگ فوجی جیل کے ذمہ دار افسر کی حیثیت سے مدعی الاستاذ علی جریشہ کو تیس ہزار پاؤنڈ معاوضہ، نیز مصارف مقدمہ اور دس پونڈ معاوضہ وکیل ادا کرے۔ یہ فیصلہ فوری طور پر نافذ العمل اور ناقابلِ ضمانت ہے۔

۲۔ عدالت ضمنی دعوے کے مدعا علیہم شمس بدران، حمزہ بسیونی کے ورثا، سعد زغلول کے ورثا، حسن خلیل، حسن کفافی اور محمد صفوت الروبی کے بارے میں یہ فیصلہ دیتی ہے کہ وہ اشتراک باہمی کے طور پر جنرل وزیر جنگ کو تیس ہزار پونڈ ادا کریں جو بنیادی دعوے میں وزیر جنگ پر عائد کیے گئے ہیں۔ نیز مصارف مقدمہ اور معاوضہ وکیل دس پونڈ بھی ادا کریں۔

۳ ۔ عدلیہ جو قوم کا ضمیر، اور اُس کا شعور و وجدان ہے یہ اعلان کرتی ہے کہ یہ قوم اور ملک ہر اُس شخص سے بری الذمہ ہے جس نے قوم کو ذلیل کرنے اور شہریوں کو اذیت دینے میں کسی نہ کسی صورت حصّہ لیا ہے ۔

۴ ۔ قومی احساس کا لحاظ کرتے ہوئے اور مصر کی شریف قوم کا وقار بحال کرنے کی خاطر عدالت صدر جمہوریہ سے یہ اپیل کرتی ہے کہ وہ فوجی جیل کو مسمار کرنے کا حکم جاری کریں ۔ کیونکہ اگر یہ جیل باقی رہی تو قوم کی تذلیل اور ابنائے قوم کی تعذیب کی یادگار باقی رہے گی ۔ اور اس کے در و دیوار نہایت افسوسناک، الم انگیز اور منحوس دنوں کی یاد دلاتے رہیں گے ۔ چنانچہ صدر جمہوریہ اسے مسمار کروا کر اس کی جگہ مفید اجتماعی اور ثقافتی ادارے قائم کروائیں ۔

۵ ۔ عوام کے حقوق کی حفاظت کے لیے، اور عوام کا یہ حق منوانے کے لیے کہ انہیں آزاد عدلیہ کی ضرورت ہے، نیز معاشرے کی سلامتی اور امن کے تحفظ کے لیے عدالت اپنے اس فیصلے کو اٹارنی جنرل کے نام سابق وزرائے انصاف بدوی حمودہ اور عصام الدین حسونہ کے خلاف نوٹس قرار دیتی ہے کہ ان دونوں وزیروں نے عدلیہ کے تقدس کی حفاظت میں جو اس ملک کے لیے حفاظتی قلعہ کی حیثیّت رکھتی ہے کوتاہی برتی ہے ۔ عدلیہ پر دست درازی ہوتی رہی مگر یہ دونوں وزیر نہ صرف اس دست درازی کا کھڑے تماشا دیکھتے رہے بلکہ اس پر پردہ پوشی کی مذموم کوشش کرتے رہے ۔ اسی طرح عدالت اٹارنی جنرل کی وساطت سے سابق وزرائے انصاف محمد ابونصیر اور مصطفیٰ کامل اسماعیل کے نام بھی نوٹس جاری کرتی ہے، جنہوں نے عدلیہ کے اختیارات کے خلاف سازش کی، عدالتی نظام کو جان بوجھ کر تباہ کرنے کی کوشش کی اور عدلیہ کی آزادی کو مجروح کرکے اور ارکان عدلیہ کو نقصان پہنچا کر شہریوں کے دل میں عدلیہ کا اعتماد ختم کیا ۔

عدالت کے رجسٹرار کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس فیصلے کی سرکاری نقل تحریر کریں اور اسے اٹارنی جنرل کے نام باقاعدہ جاری کریں ۔